(مضامین علمیہ)

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

ہمارے اکابر کا اصل مسلک

ایک رسالہ "اکابر کا مسلک ومشرب" کے نام سے مکتبہ خانقاہ اقبالیہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ ٹائٹل پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا نام رسالہ کے مرتب کے طور پر درج ہے۔ چونکہ اس رسالہ کی ترویج واشاعت سے بہت فساد کا اندیشہ تھا (اگرچہ مصنف و مرتب کی نظر میں اندیشہ مغلوب ہے) اس لیے ہمارے حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہ العالی کی رائے عالی یہ ہوئی کہ اکابر کا مسلک صحیح صحیح پیش کر دیا جائے اور مرتب رسالہ کو جو غلط فہمی ہوئی اس کا ازالہ بھی کر دیا جائے۔ امتثالاً للامر یہ چند صفحات لکھے گئے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات کو سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

پہلی فصل: محفل میلاد اور عُرس وغیرہ کے بارے میں اکابرینِ دیوبند کا مسلک

اس رسالہ میں مصنف نے مجلسِ میلاد، عرس اور فاتحہ خوانی کے جواز و اختیار کے حق میں کچھ باتیں ذکر کی ہیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ ان مجالس کے عقد کے حق میں مصنف نے ایک بھی شرعی دلیل ذکر نہیں کی، بس کچھ مکاشفات اور کچھ واقعات پر اکتفا کیا ہے۔ یہ عجیب طرزِ استدلال ہے اور مانعین کے دلائل کو سمجھے بغیر اُن کی طرف سدًا للباب کو بطور ممانعت کے سبب کے منسوب کیا ہے۔ لکھتے ہیں

"... لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ مختلف فیہ معمولات اور فروعی مسائل کے متعلق حاجی صاحبؒ کی رائے اور عمل دیوبندی علماء کے نزدیک اصلاً ہرگز شرک یا بدعت وضلالت نہیں ہوسکتی۔
کچھ حضرات صحیح اعتقاد کے ساتھ حاجی صاحبؒ کے طریقہ پر ان معمولات کے عامل رہے اور ہیں۔"

"اور جو امر ہیئت کذائیہ اور قیودات مروّجہ کے ساتھ شرعًا واجب نہ تھا اور اس میں منکرات عملی واعتقادی شامل ہوگئیں تو اس امر سے سدًا للباب کے لیے عارضی طور پر بالکل ہی پرہیز کرایا گیا۔"

ہم ان مجالس کے بارے میں اصل مسئلہ کو اکابرینِ دیوبند کی عبارات کی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔

ان مجالس کو اہتمام و تداعی کے ساتھ کرنا بدعت اور ناجائز ہے

(۱) مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں

"مجیب کے برادران ذکر مولود کو مندوب کہتے ہیں بشرطیکہ تداعی و اہتمام سے خالی ہو ورنہ کراہت کے مقر ہیں۔" (انوار ساطعہ ص۶۴)

(۲) واعظ جامع مسجد سہارن پور مولانا امیر باز خان صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ۔

"التزام مجلس میلاد بلا قیام و روشنی و تقاسیم شیرینی و قیودات لایعنی کی ضلالت سے خالی نہیں و علی ہذا القیاس سوم و فاتحہ بر طعام کہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائی گئی۔ (انوار ساطعہ ص۶۴)

(۳) مولانا تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"بعد خیر القرون کے جو چیزیں ایجاد کی گئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو وہ کہ ان کا سبب داعی بھی جدید ہے اور وہ موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں کہ بغیر ان کے اس مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا جیسے کُتبِ دینیہ کی تصنیف اور تدوین مدرسوں اور خانقاہوں کی بناء کہ حضورؐ کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شے نہ تھی اور سبب داعی اُن کا جدید ہے اور نیز یہ چیزیں موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے۔ اس کے بعد سمجھیے کہ زمانہ خیریت نشانہ میں دین کی حفاظت کے لیے وسائط محدثہ میں سے کسی شے کی ضرورت نہ تھی۔ تعلق مع اللہ یا بلفظ آخر نسبت سلسلہ سے بہ برکت حضرت نبوت سب مشرف تھے۔ قوتِ حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو کچھ سُنتے تھے۔ وہ سب نقشِ کالحجر ہو جاتا تھا۔ فہم ایسی عالی پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح اُن کے سامنے تقریر کریں۔ ورع اور تدیّن بھی غالب تھا۔ بعد اس زمانہ کے دوسرا زمانہ آیا۔ غفلتیں بڑھ گئیں قوی کمزور ہو گئے۔ اور اہل ہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا۔ تدیّن مغلوب ہونے لگا۔

پس علماء اُمت کو قوی اندیشہ دین کے ضائع ہونے کا ہوا۔ پس ضرورت اس کی واقع ہوئی

کہ دین کی بجمیع اجزا تدوین کی جائے، چنانچہ کتبِ دینیہ حدیث اصولِ حدیث فقہ اصولِ فقہ، عقائد میں تصنیف ہوئیں اور ان کی تدریس کے لیے مدارس تعمیر کیے گئے۔ اسی طرح نسبت سلسلہ کے اسباب تقویت وابقاء کے لیے بوجہ عام رغبت نہ رہنے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں اس لیے کہ بغیر ان چیزوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی۔ پس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب ان کا جدید ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا اور موقوف علیہ حفاظتِ دین مامور بہ کی ہیں پس یہ اعمال گو صورتاً بدعت ہیں، لیکن واقع میں بدعت نہیں، لیکن حسب قاعدہ "مقدمۃ الواجبِ واجبٌ" واجب ہیں۔

دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے جیسے مجالس میلاد مروّجہ اور تیجہ دسواں چہلم وغیرہ من البدعات کہ اُن کا سبب قدیم ہے۔ مثلاً مجلسِ میلاد کے منعقد کرنے کا سبب فرح علی الولادۃ النبویہ ہے اور یہ سبب حضورؐ کے زمانے میں بھی موجود تھا، لیکن حضورؐ نے یا صحابہ نے یہ مجالس منعقد نہیں کیں۔ نعوذ باللہ صحابہ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا۔ اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے کہ منشاء اس کا موجود نہ تھا، لیکن جبکہ باعث اور بناء اور مدار موجود تھا پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضورؐ نے کبھی مجلسِ میلاد منعقد کی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ ایسی چیزوں کا حکم یہ ہے کہ وہ بدعت ہیں صورۃً بھی اور معنیً بھی اور حدیث مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ میں داخل ہو کر واجب الرد ہیں اور پہلی قسم مَا مِنْہُ میں داخل ہو کر مقبول ہے۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے بدعت اور سُنّت کے پہچاننے کا۔ اس سے تمام جزئیات کا حکم مستنبط ہو سکتا ہے۔"

(میلاد النبی ص ۱۳۶ تا ۱۴۰)

اصلاح الرسوم میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"مولود شریف کی محفل کی تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا جدا حکم ہے۔

پہلی صورت: وہ محفل جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو نہ قید مباح نہ قید مکروہ سب قیود سے مطلق ہو، مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے، کسی نے اُن کو اہتمام کر کے نہیں بلایا یا کسی اور مباح ضرورت سے بلائے گئے تھے۔ اس مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضور پُرنور سرورِ عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ ولادتِ شریفہ و دیگر اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل مُبارک صحیح صحیح روایات سے بیان کر دیا گیا اور اثنائے بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف

بیان احکام کی دیکھی جائے تو اس میں بھی دریغ نہیں کیا گیا یا اصل میں اجتماع استماع وعظ و احکام کے لیے ہو اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ وفضائل کا بیان بھی آگیا۔ یہ وہ صورت ہے کہ بلانکیر جائز بلکہ مستحب سُنّت ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے حالات وکمالات اسی طریق سے بیان فرمائے ہیں اور آگے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو روایت کیا جس کا سلسلہ محدثین میں آج تک بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہے اور تا بقائے دین رہے گا۔

دوسری صُورت: وہ محفل جس میں قیود غیر مشروعہ موجود ہوں جو کہ اپنی ذات میں بھی قبیح معصیت ہیں مثلاً روایات موضوعہ خلاف واقعہ بیان کی جائیں... یا لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام بہت مبالغہ سے کیا جائے کہ اس قدر اہتمام نماز وجماعت و وعظ کے لیے بھی نہ ہوتا ہو.... الخ یہ وہ صُورت ہے جو اکثر عوام وجہلا میں شائع و ذائع ہے اور شرعًا بالکل ناجائز وگناہ ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضؓ بن ابی العاص کسی ختنہ میں بلائے گئے تو آپ نے انکار فرما دیا۔ کسی نے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ مُبارک میں ہم لوگ ختنہ میں نہیں جاتے تھے اور نہ اس کے لیے بُلائے جاتے تھے۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جس کام کے لیے لوگوں کو بُلانا سُنّت سے ثابت نہیں اس کے لیے بلانے کو صحابی نے ناپسند فرمایا اور جانے سے انکار کیا۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ بُلانا دلیل ہے اہتّمام کی، تو شریعت نے جس امر کا اہتمام نہیں کیا اس کا اہتمام کرنا دین میں ایجاد کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جب مسجد میں چاشت کی نماز کے لیے مجتمع دیکھا تو براہ انکار اس کو بدعت فرمایا اور اسی بناء پر فقہاء نے جماعت نافلہ کو مکروہ کہا ہے۔

تیسری صُورت: وہ محفل جس میں نہ تو پہلی صُورت کا سا اطلاق و بے تکلّفی ہو اور نہ دوسری صُورت کی طرح اس میں قیود حرام ہوں بلکہ قیود تو ہوں، مگر ایسے قیود ہوں جو خود اپنی ذات میں مباح حلال ہیں۔ یعنی روایات بھی صحیح و معتبر ہوں ... لوگوں کو بُلانے اور اطّلاع کرنے میں مبالغہ نہ ہو... پس ایسی محفل نہ تو پہلی محفل کی طرح علی الاطلاق جائز ہے اور نہ دوسری محفل کی طرح علی الاطلاق ناجائز اور جائز ہونے میں تفصیل ہے جو عنقریب معروض ہوتی ہے۔" (اصلاح الرسوم ۔)

(۴) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو، مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے لہٰذا اس زمانہ میں درست نہیں۔ و علیٰ ہذا عرس کا جواب ہے۔

(فتاوی رشیدیہ ص ۱۰۵ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

۵ علّامہ ابن الحجاج رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"فان خلا (ای فعل المولد) منه (ای عمل السماع) وعمل طعام فقط ونوی به المولد ودعی الیه الاخوان وسلم من کل ما تقدم ذکره فهو بدعة بنفس نية فقط لان ذلك زيادة فی الدين وليس من عمل السلف الماضين واتباع السلف أولی ولم ينقل من احد منهم انه نوی المولد ونحن نتبع السلف فيسعنا ما وسعهم انتهی۔

(بحوالہ فتاوٰی رشیدیہ ص ۱۲۴)

(ترجمہ: اگر میلاد کا فعل سماع کی خرابیوں سے خالی ہو اور صرف میلاد کی نیت سے کھانا تیّار کیا جائے اور اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے اور دیگر تمام سابق میں مذکور خرافات سے اجتناب ہو تو فقط نفس نیت سے یہ بدعت ہے، کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہے اور گزرے ہوئے سلف صالحین کا عمل نہیں ہے جبکہ سلف صالحین کا اتّباع اولیٰ ہے اور ان میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے کہ اُنہوں نے میلاد کی نیت کی ہو اور ہم تو اسلاف کے پیروکار ہیں جس کی اجازت ان کو تھی اسی کی ہم کو بھی ہے۔)

۶ شیخ شرف الدّین حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ان ما يعمل بعض الامراء فی كل سنة احتفالا لمولده صلّی اللہ عليه وسلّم فمع اشتماله علی التكلفات الشنيعة بنفسه بدعة أحدثه من يتبع هواه ولا يعلم ما امره صلّی اللہ عليه وسلّم صاحب الشريعة ونهاه" (بحوالہ فتاوی رشیدیہ ص ۱۲۴)

ترجمہ: بعض امراء جو ہر سال مجلس میلاد منعقد کراتے ہیں تو قیودات فاسدہ پر مشتمل ہونے کے علاوہ یہ مجلس خود بدعت ہے جس کی ایجاد ایسے لوگوں نے کی ہے جو اپنی خواہش کے پیروکار ہیں اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دیے ہوئے اوامر و نواہی سے بے خبر ہیں۔)

۷ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ، براہین قاطعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"پس غور کرنا چاہیے کہ نفس ذکرِ مولود مندوب و مستحسن ہے، مگر صلاۃ نفل اس سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ عمدہ عبادات اور افضل القربات اور خیر موضوع ہے، مگر بایں ہمہ بوجہ تداعی و اہتمام کے کہ یہ اس میں مشروع نہیں بدعت لکھتے ہیں یہاں ذکرِ مولود میں بھی گو مندوب ہے مگر تداعی و اہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت نہیں بدعت ہوویگا البتہ وعظ و درس میں تداعی ثابت ہے، کیونکہ وہ فرض ہے۔ جیسا فرائض صلوات میں تداعی ضروری ہے اور تعین سُور کا اس صلاۃ میں بدون ورود نص کے بدعت لکھا ہے سو مولود میں بھی تعیین ہیئات مباح کا جو معلوم ہے بدعت ہووے گا، گو فی حد ذاتہ وہ امور مباح و مستحب ہوں۔" (براہین قاطعہ ص ۱۵۳)

ان حوالجات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اہتمام و تداعی کے ساتھ مجلسِ میلاد منعقد کرانی خود بدعت ہے۔

یہ ساری تفصیل جو مجلسِ میلاد کے بارے ذکر ہوئی عرس اور ایصالِ ثواب کی مجلسوں میں بھی جاری ہوتی ہے، پھر بھی عرس کے بارے میں مزید تصریحات درج کی جاتی ہیں۔

فتاوی رشیدیہ میں ایک سوال میں یہ درج ہے کہ جناب مولانا فضل رحمٰن صاحب رح کا عرس[1] گنج مراد آباد میں ہر سال تاریخ معین پر ہوتا ہے۔ بذریعہ اشتہار تاریخ عرس تشہیر بھی

[1] یہ عرس بھی خود مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ کی وصیت کے خلاف ہوتا تھا۔

تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ میں ہے۔ ص ۵۲

"ہم نے یعنی فقیر تجمل حسین نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ بدعت کی جزئیات کو فرما دیجیے۔ مثلاً بعد انتقال حضور کے چہلم و چہارم ہوگا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ صحابہ رض کا فعل یہ نہ تھا۔ الغرض آپ کے عہد میں یہ سب نہ تھا۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ بعد انتقال حضور کے عرس مزار پر آپ کے ہویا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز عرس نہ ہو۔ جب کوئی سے فضل رحمٰن کا انتقال ہوا تو چار قل پڑھ کر بخش دے بس اس سے زیادہ کچھ نہ کرے۔ اس پر جناب احمد میاں صاحب نے فرمایا کہ قل و عرس تمام بزرگان کا ہوتا ہے یہاں بھی ہونا چاہیے۔ آپ نے بہت خفا ہو کر فرمایا کہ ہرگز نہ ہو، ہماری قبر پر کوئی میلہ نہ کرے۔

راقم کہتا ہے کہ حضرت قبلہ کو خیال سُنّت کا بہت تھا آپ نے اپنے پیر کا عرس نہیں کیا اور نہ ان کے پیر نے اپنے پیر کا عرس کیا۔"

کی جاتی ہے۔ خاص مریدانِ سلسلہ کو بذریعہ خطوط اطلاع بھی دی جاتی ہے تاریخ معینہ پر لوگوں کا اجتماع ہو کر قرآن خوانی ہوتی ہے ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، قوالی راگ سماع مزامیر و دیگر خرافات وغیرہ روشنی بھی نہیں ہوتی۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ عرس کا التزام کرے یا نہ کرے بدعت اور نادرست ہے۔ تعین تاریخ سے قبروں پر اجتماع کرنا گناہ ہے خواہ لغویات ہوں یا نہ ہوں۔ (ص ۱۳۱ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

ایک اور سوال کہ "جس عرس میں صرف قرآن شریف پڑھا جائے اور تقسیم شیرینی ہو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟"

مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں "کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا دُرست نہیں اور کوئی سا عرس اور مولود دُرست نہیں ہے۔ (ص ۱۴۷ ایضاً)

اور اس سوال پر کہ "مرید لوگ زید کی سالانہ برسی کرتے ہیں یعنی ایک تاریخ مقرر کر کے کسی دوسرے بزرگ کی خانقاہ میں سب مرید جمع ہوتے ہیں"

مولانا رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

اور عرس کے باب میں بھی جواب یہ ہے کہ منع ہے۔ اربعین میں مولانا ممدوح لکھتے ہیں مقرر ساختن روز عرس جائز نیست۔ در تفسیر مظہری مینویسد لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالاعياد ويسمونه عرسا انتهى۔ (ص ۱۰۹ ایضاً)

دوسری فصل: ایک ممکنہ اعتراض اور اُس کا جواب

اعتراض: کسی کو اگر یہ خیال ہو کہ خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اصلاح الرسوم میں محفلِ میلاد کی تیسری صُورت کو ذکر کر کے فرمایا ہے۔

"خلاصہ یہ ہے کہ جہاں یہ مفاسد مذکورہ نہ ہوں گو اس کی توقع عوام کی حالت پر نظر کرنے

سے بہت ہی بعید ہے، لیکن اگر فرضاً کسی وقت یا کسی موقع پر ایسا ہو تو وہاں اجازت دی جائے گی، مگر اس وقت اجازت کے فعل میں بھی ضرور ہوگا کہ ان قیود کو جس طرح عقیدۃً غیر مؤکد سمجھیں اسی طرح اپنے عمل سے بھی اُن کا مؤکد نہ ہونا بار بار ظاہر کرتے رہیں"۔

اس عبارت سے یہ تو معلوم ہُوا کہ تمام احتیاطوں کے ساتھ اور مفاسد مذکورہ سے بچتے ہُوئے محفلِ میلاد کی یہ تیسری صورت جائز ہے اور رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" میں جس محفلِ میلاد کو منعقد کرنے کا ذکر ہے اس سے یہی صُورت مراد ہے تو اس کے انعقاد سے تو کچھ مانع نہ رہا۔

جواب: اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس تیسری صورت کے لیے مولانا رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ "لوگوں کو بلانے اور اطلاع کرنے میں مبالغہ نہ ہو"۔ اور عدم مبالغہ کی کوئی تحدید نہیں کی جبکہ عدم مبالغہ ہر شخص کے اپنے حالات اور وسائل کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے جو شخص پانچ سو افراد کو بلانے پر قادر ہے وہ سو افراد کو بلانے میں ترک مبالغہ خیال کرے گا جبکہ دوسرے کے نزدیک یہ مبالغہ میں شامل ہوگا۔ اسی طرح کوئی اگر مسجد میں ایک تحریری اطلاع چسپاں کرنے یا ایک مرتبہ زبانی اطلاع کرنے میں مبالغہ خیال نہ کرے تو کوئی دوسرا کثیر تعداد میں آنے والوں پر نظر کرکے اس کو یقیناً مبالغہ و اہتمام اور تداعی پر محمول کرے گا۔ جب نفل نماز کی جماعت کے لیے چار آدمیوں کی موجودگی تداعی پر محمول کی جاتی ہے تو کیا چار آدمیوں کو دعوت دے کر محفلِ میلاد کے لیے بلانا تداعی نہ ہوگا۔ اور متقدمین میں سے جن لوگوں نے اس قسم کی مجالس کو بھی جو مکروہ کہا ہے تو غالباً یہ بھی وجہ ہو گی۔

علاوہ ازیں مولانا تھانوی رحمہ اللہ اسی اصلاح الرسوم میں فرماتے ہیں۔

"علیٰ ہذا القیاس سب قیود مباحہ کے ساتھ یہی عمل رکھیں تو اس طرح کی محفل گو سلف صالحین سے منقول نہیں، مگر بوجہ مخالف نہ ہونے قواعدِ شرعیہ کے ممنوع بھی نہ کہی جائے گی۔ یہ حکم ہے صورت سوم کا باعتبار فتوٰی کے، لیکن مصلحت انتظامِ دین کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے بھی احتیاط رکھیں، کیونکہ یہ خود نہ تو ضروریات دین سے ہے نہ کسی ضرورتِ دین کا موقوف علیہ ہے اور ایک بار یہی ہیئت اجتماعیہ مباحہ مفضی الی المفاسد ہو بھی چکی ہے جیسا کہ پیشِ نظر ہے اور جہل

روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے اس لیے مرتبہ تقوٰی احتیاط ہی میں ہے۔" (ص ۱۱۹)

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے زمانے میں جو حالات تھے، اُن میں مزید ابتری پیدا ہوئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ احتیاط کو شدّت سے جاری رکھا جائے۔

پھر ایک اور بات جو انتہائی قابلِ لحاظ ہے۔ وہ یہ ہے کہ خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے بدعت و سُنّت کے درمیان جو فرق کیا ہے اس کے مطابق بھی باوجود سبب کے موجود ہونے کے سلف صالحین سے اس طرح کی محفل منقول نہیں، لہٰذا صرف تقوٰی ہی نہیں بلکہ فتوٰی کی رو سے بھی اس طرح کی مجلس منعقد کرنے سے اجتناب ضروری ہے، جیسا کہ خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اس وقت بھی بعض علماء نے ان کے (یعنی مثبتین کے) ساتھ اختلاف کیا تھا۔" اور ان بعض علماء میں ابن الحاج مالکی اور شرف الدین حنبلی رحمہما اللہ بھی ہیں جو اس کو بدعت کہتے ہیں، جیسا کہ ان کی دی ہُوئی عبارتوں میں پہلے گزر چکا ہے۔

اسی طرح عرس اور ایصالِ ثواب کے بارے میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ اپنی اصلاح الرسوم میں فرماتے ہیں۔

"اور قیود مباحہ کے ساتھ جس کو نہ خود ضرر ہو اور نہ اس کے فعل سے کسی دوسرے کو ضرر ہو خُفیہ طور پر اس کو گنجائش دی گئی ہے۔ اس کو چاہیے کہ ان قیود میں گاہ گاہ تغیّر و تبدل کر دیا کرے تاکہ کہیں اسی کے نفس میں یا شاید دوسرے کے نفس میں کوئی خرابی نہ پیدا ہو جائے، مگر پھر بھی اطلاق کا طریقہ افضل و مسنون ہے کیونکہ اس طریق مباح ہی سے آخر خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں تو آئندہ بھی اندیشہ ہی ہے اس لیے مقتضائے انتظامِ الٰہی یہی ہے کہ ان قیود سے بالکل ہی احتیاط رکھے اور تجربہ سے یہ بھی ثابت ہُوا ہے کہ قیود کی پابندی میں اگر ابتداء میں بالفرض خلوص بھی ہو مگر بعد چند دن کے پھر اس کو نباہنے کے لیے کرنا پڑتا ہے اور نیت دُرست نہیں رہتی۔" (ص ۱۳۱)

حاصل کلام یہ ہُوا کہ سوائے اس مجلس کے جو بلا تخصیص و بلا تقیید کے ہو اور ہر قسم کی مجلس خواہ میلاد کی ہو یا ایصال ثواب کی ہو بدعت اور واجب الاجتناب ہے۔

کیا ان مجالس کو منعقد کرانے میں کوئی اصلاحی منفعت ہے؟

رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے مصنّف نے ان مجالس کے حق میں ایک دلیل یہ دی ہے "لیکن آج کل صورت حال کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ رسومات اور بدعات کے اندیشۂ وقوع کے مقابلہ میں ارتدادِ خفی میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں اور محبّت اور عظمتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کمی کی وجہ سے اہانتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک نوبت پہنچ رہی ہے جو کہ صریح کفر ہے۔ اپنے محسنین کو ایصال ثواب کے اہتمام سے تغافل ہے۔ اولیاء اللہ کا تذکرہ تو کجا پورے خانقاہی نظام جس کا مقصد روحِ دین کا حصول تھا کی بھی مخالفت کی جا رہی ہے۔ گڑھے کے خوف سے گہرے کنوئیں میں گر رہے ہیں، اس لیے اب بعض مصلحت اندیش علماء کے نزدیک دینی مصلحت ان مجالس کے قیام میں ہے کہ بدعت کے خوف کے مقابلہ میں وقوع کفر زیادہ سخت ہے تاہم ان مجالسِ خیر و برکات میں مشائخ کو اس بات کی کڑی نگرانی کرنی چاہیے تاکہ کوئی منکر اور بدعت اصطلاحی ان میں رواج نہ پا جائے۔" (ص ۳۶)

ہم کہتے ہیں کہ اس دلیل کے جواب میں اصلاح الرسوم کی ص۱۱۹ اور ص۱۳۱ کی مذکورہ بالا عبارتوں کا دوبارہ مطالعہ کیا جائے۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے پورے یقین کے ساتھ یہ تحریر فرمایا ہے کہ "یہ ہیئت اجتماعیہ مباحہ ایک بار مفضی الی المفاسد ہو بھی چکی ہے اور جہل روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے مقتضائے انتظام الٰہی یہی ہے کہ ان قیودِ مباحہ سے بالکل ہی احتیاط رکھے"

غرض اس ہیئت اجتماعیہ مباحہ سے مذکورہ مفاسد کا پیدا ہونا اغلب ہے جبکہ رسالہ میں مذکورہ ارتداد خفی سے بچاؤ کچھ اس ہیئت پر موقوف بھی نہیں بلکہ اس کے لیے دیگر متبادل طریقے موجود ہیں۔ ایسی حالت میں مقتضائے انتظام الٰہی کے خلاف کرنا اور اس میں مصلحت خیال کرنا شرعی اور عقلی قواعد سے بہت بعید ہے۔

تنبیہہ: مذکورہ رسالہ میں میلاد اور عرس سے متعلّق بعض واقعات کی نسبت حضرت شیخ

الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی طرف کی گئی ہے، یہ نسبت قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ حضرت رحمہ اللہ کے معمولات سے سب خاص و عام واقف ہیں اور مولانا ابوالحسن علی ندوی سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ میں "دینی حمیت اور مسلک صحیح کی حفاظت کا اہتمام" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

"اسی طرح وہ مسلک توحید و اتباعِ سنّت وردِّ بدعات کے شدّت سے حامی و محافظ تھے جو اُن کو وراثتاً و تعلیماً و تربیتاً اپنے اسلاف و اساتذہ و مشائخ سے ملا تھا۔ ہندوستان کی آزادی و تقسیمِ ملک کے بعد کچھ سیاسی و انتظامی مصالح کی بناء پر بعض ایسے علماء کی طرف سے جو ہندوستان کے حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں کے ایک جگہ مجتمع ہونے اور اس مُلک میں رہنے کے فیصلہ کو ہر مسئلہ پر مقدم رکھتے تھے۔ مصلحتاً بعض ایسے اجتماعات کی نہ صرف اجازت دی گئی، بلکہ ان میں وہ خود شریک بھی ہوئے۔ اس سلسلہ میں بعض حضرات نے بزرگانِ دین کے ان عرسوں کو دوبارہ قائم کرنے کو مفید سمجھا جن میں مسلمان بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ تقسیم کے بعد وہ بند ہوگئے تھے یا بہت پھیکے پڑ گئے تھے۔ شیخ کو جب اس طرح کی اطّلاعات ملیں تو اُن کے دِل کو بڑی چوٹ لگی۔ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ کی شان انقلاباتِ زمانہ اور اپنے اعمالِ بد کے ثمرات دیو بندی جماعت جو عرس کے بند کرنے کی ہمیشہ ساعی رہی اَب وہ عرسوں کو فروغ دینے والے بن گئے جس شخص کے بڑے نظام الدّین کے عرس کے زمانے میں بستی بھی چھوڑ دیا کرتے تھے اُن کا ناخلف یہ سوچتا ہے کہ اس موقع پر جایا جائے، تاکہ پاکستان سے آنے والے احباب سے جن کو عرس کے عنوان سے اجازت مل جاتی ہے ملاقات ہوجائے"۔

اسی طرح ایک مرتبہ شیخ نے ایک قابلِ احترام دیوبندی عالم اور بزرگ کے متعلّق سُنا کہ وہ ۱۲ ربیع الاوّل کے ایک میلادی جلسہ میں شرکت فرمانے والے ہیں شیخ نے اس پر اس ناچیز کو لکھا۔

"ابھی چند روز ہوئے اخبار میں ۱۲ ربیع الاوّل کے میلادی جلسہ میں ... کی شرکت

کا دعدہ پڑھا، جَب سے سوچ میں ہُوں کہ جس چیز پر اکابر نے ایسے ایسے خم ٹھونکے وہ ایسی بن گئی کہ اخبار جمیعتہ تو گویا اس کے پروپیگنڈہ کے لیے وقف ہوگیا۔"

(ص ۲۱۱ ، سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ از مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ)

چوتھی فصل: حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی ان محافل میں شرکت کے بارے میں مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کا تبصرہ

اس رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے مصنف نے مُقامِ غور کے عنوان سے ایک یہ عبارت لکھی ہے۔

"اَب فریقین ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ جَب حاجی صاحبؒ کے معمولات میں میلاد شریف، فاتحہ خوانی، عرس وغیرہ تھے اور بعض دیگر اعتقادی مختلف فیہ مسائل کو حضرت حاجی صاحبؒ شرک و بدعت نہیں فرماتے تھے جس کی تفصیل ان کے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ" میں موجود ہے۔ غور فرمائیں کہ اگر کوئی شخص حاجی صاحبؒ کے مذکورہ بالا معمولات اور رائے کو بدعت یا شرک مانتا ہو تو وہ حضرت حاجی صاحبؒ کو اپنا پیر و مُرشد کیسے مان سکتا ہے جبکہ یہ تعلّق محض رسمی پیری مریدی کا نہیں تھا، بلکہ ان حضرات کا حاجی صاحب سے اور حاجی صاحب کا اکابرِ دیوبند سے تعلّق عقیدت و محبّت اور عشق کے درجے میں تھا جو کہ حاجی صاحب کے مطبوعہ مکاتیب سے واضح ہے اور یہ حضرات کسی بدعتی سے ادنیٰ تعلّق بھی گوارا نہیں کرتے اور شرک کا واہمہ تو بڑی دُور کی چیز ہے، لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ مختلف فیہ معمولات اور فروعی مسائل کے متعلق حاجی صاحبؒ کی رائے اور عمل دیوبندی علماء کے نزدیک اصلاً شرک یا بدعت وضلالت نہیں ہوسکتی۔

اس تمہید کے بعد ہم ظاہر شریعت اور علمی لائن کی رو سے بھی مذکورہ مسائل میں اکابرِ علماءِ دیوبند کے متفقہ عقائد درج کریں گے، جو مشہور مسائل میں سوال و جواب کے طور پر عربی میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ رسالہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرّہٗ کا ہے ... لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ اِن ہی اُمورِ خیر میں دُشمنوں اور سازشیوں نے اعتقادی اور عملی شرکیات اور منکرات کو شامل کرکے عوام میں رواج دیا جس کی اصلاح

اور ان کا انسداد علماء حقہ پر ضروری تھا اور کچھ حضرات صحیح اعتقاد کے ساتھ حاجی صاحبؒ کے طریقہ پر ان معمولات کے عامل رہے اور ہیں، لیکن اکثریت ایسی نہیں رہی"۔ ۔ ۔

(ص ۵ - ۶)

اس مذکورہ بالا حوالہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس رسالہ کے مصنّف کے نزدیک حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ اس قسم کی جن مجالس میں شریک ہوئے ہیں اُن سے اکابرینِ دیوبند مثلاً مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کو کچھ اختلاف نہ تھا اور وہ ان کو فروعی اور مختلف فیہ مسائل میں سے شمار کرتے تھے۔ مصنّف پر یہ لازم تھا کہ اس رسالہ کی تصنیف سے پہلے وہ اس مسئلہ سے متعلّق مولانا گنگوہی اور مولانا تھانوی رحمہما اللہ کی جملہ تحریرات کا بغور مطالعہ فرما لیتے اگر وہ ایسا کر لیتے تو یقیناً اس قسم کی بات تحریر نہ فرماتے

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے کچھ شبہات کا جواب دیتے ہوئے مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"امر ثانی میں سُنیے کہ حضرت اعلیٰ کا ارشاد پانچ چھ سال پہلے یہی تھا کہ "نفس ذکر جائز اور قیود بدعت" چنانچہ اس قسم کی تحریرات اَب بھی موجود ہیں، مگر بعد حضور مجوزین کے جو تحقیق ہوئی ہے خلاصہ اس کا ہفت مسئلہ میں آپ نے خود لکھا ہے کہ جناب حضرت مدّظلہ مجوزین و مانعین ہر دو کی تصویب فرما رہے ہیں، حالانکہ ایک مسئلہ جزیۂ عملیہ جو مجتہدین میں مختلف فیہ ہے عنداللہ حق اس میں ایک ہی ہے اور دوسرا غلط، تو کشف سے اگر صاحب کشف حق ایک جانب کو حق جان لیوے تو دوسری جانب کو حق نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ کشفاً ایک ہی حق ہوتا ہے پس دونوں کی تصویب اور ایک کی ترجیح کے کیا معنی سوائے اس کے کہ دونوں جانب علماء تصوّر فرما کر اس مسئلہ کو مختلف فیہ خیال فرمایا اور اس مسئلے کو مسئلہ فرعیہ تصوّر فرمایا حالانکہ یہ مسئلہ اعتقادیہ ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں مسئلہ فرعیہ خیال کیا جاتا ہے اور مسئلہ اعتقادیہ میں حق ایک ہی ہوتا ہے۔ ظاہر میں بھی مثل باطن کے۔ اسی واسطے اہل اہواء، اگرچہ صدہا علماء ہیں ان کی کثرت پر نظر نہیں ہوتی اور مسئلہ مختلف فیہا نہیں کہا جاتا۔ اور حضرت اعلیٰ وجہِ ترجیح کو خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ ان قیود کو بدعت ہی نہیں سمجھا، کیونکہ

فرماتے ہیں کہ "بدعت وہ ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کیا جاوے اور اس پر حدیث من احدث فی أمرنا ھذا الخ کو دلیل لائے ہیں۔ اس سے صاف واضح ہے کہ یہ ترجیح کشفی نہیں ہے، باقی یہ بات کہ ترجیح اعلیٰ حضرت کی صحیح نہیں اس کو میں نہیں لکھتا اگرچہ یہ اصل اُن کی صحیح ہے، مگر اندراج اس جزئیہ کا اس اصل میں صحیح نہیں ہے۔ آپ تامل کریں گے تو واضح ہو جائے گا اور اس مسئلے کو مختلف فیہا سمجھنا تم سے تعجّب ہے، کیونکہ وہ مسئلہ مختلف فیہا بظاہر دونوں طرف صواب ہوتا ہے کہ مجتہد مطلق یا مقید یا علماء راسخین ملحق بھم میں مختلف فیہ نہ ہو اور عوام علماء کا اختلاف مسئلہ کو مجتہد فیہ نہیں بناتا بلکہ اس میں ایک ہی جانب حق ہوتی ہے کہ جو موافق قانونِ شریعت کے ہو اور دوسری رائے باطل ہوتی ہے۔

(ص ۲۸۵، میلاد النبی ۔ مولانا تھانوی رح)

ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کس صراحت سے اس مسئلہ کا اعتقادی ہونا بتا رہے ہیں اور اس کے فروعی اور مختلف فیہ ہونے کی نفی فرما رہے ہیں، جبکہ ہمارے پیشِ نظر رسالہ کے مصنّف اس سے بے خبر ہو کر مسئلہ کو فروعی اور مختلف فیہ ذکر کر رہے ہیں۔

"مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے نام اپنے مراسلہ میں یوں تحریر کیا۔

" شرکت بعض مجالس کی الحمد للہ مجھ کو نہ غلو و افراط ہے نہ اس کو موجب قربت سمجھتا ہوں مگر توسع کسی قدر ضرور ہے اور منشا اس توسع کا حضرت قبلہ و کعبہ کا قول و فعل ہے مگر اس کو حجت شرعیہ نہیں سمجھتا بلکہ بعد ارشاد اعلیٰ حضرت کے خود بھی میں نے جہاں تک غور کیا۔ اپنے فہم ناقص کے موافق یوں سمجھ میں آیا کہ اصل عمل تو محلِ کلام نہیں ہے البتہ تقییدات تخصیصات بلا شُبہ بدعت ہیں۔ سو اس کی نسبت یوں خیال میں آیا کہ ان تخصیصات کو اگر قربت و عبادت مقصودہ سمجھ لیا جاوے تو بلا شک بدعت ہیں اور اگر محض امور عادیہ مبنی بر مصالح سمجھا جاوے تو بدعت نہیں بلکہ مباح ہیں تو مباح کبھی بوجہ واسطہ عبادت بن جانے کے لغیرہٖ عبادت سمجھ لیا جاوے چنانچہ بہت سے مباحات کی یہی شان ہے ... (الی ان قال) ان خیالات کے ذہن نشین ہونے سے ان خصوصیات کے انکار میں کمی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مرتبہ فروع و مسائل اختلافیہ کا سا آنے لگا، مگر اس کے ساتھ ہی نہ کسی دن ان اعمال کی وقعت ذہن میں آئی نہ خود رغبت ہوئی نہ

اوروں کو ترغیب دی۔ بلکہ اگر کبھی اس قسم کا تذکرہ آیا تو یہی کہا گیا کہ اولیٰ یہی ہے کہ خلافیات سے بالکل اجتناب کیا جاوے، مگر جس جگہ میرا قیام ہے، وہاں ان مجالس کی کثرت تھی اور بے شک ان لوگوں کو غلو بھی تھا، چنانچہ ابتدائی حالت میں اس انکار پر میرے ساتھ بھی لوگوں نے مخالفت کی، مگر مَیں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ تین چار ماہ گزرے تھے کہ حجاز کا اوّل سفر ہُوا تو حضرت قبلہ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ اس قدر تشدد انکار مناسب نہیں ہے۔ جہاں ہوتا ہو انکار نہ کرو، جہاں نہ ہوتا ہو ایجاد نہ کرو۔ اور اس کے بعد جب مَیں ہند کو واپس آیا تو طلب کرنے پر شریک ہونے لگا اور یہ عزم رکھا کہ ان لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی جائے۔"

مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے نام اپنے مراسلہ میں ذکر کیا۔

"... بہر حال میرے خیال میں یہ اُمور خلاف اولیٰ ضرور ہیں مگر بمصالح دینیہ ان کے فعل میں گنجائش نظر آتی ہے اور عوام کی اصلاح بھی ساتھ ساتھ واجب سمجھتا ہوں اور اپنی وسعت کے موافق کرتا بھی رہتا ہُوں اور اس کے ساتھ ایک خیال اور بھی پیدا ہُوا اور وہ بہت نازک بات ہے، وہ یہ کہ اگر یہ شرکت (در مجالس) بالکل اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہے تو حضرت قبلہ کے صریح ارشاد کی کیا تاویل کی جائے، بلکہ اہلِ علم کے اعتقاد و تعظیم و تعلّق ارادت سے عوام کا ایہام ہے۔ اس سے ہر پھر کر یہی اطمینان ہوتا ہے کہ شرعًا گنجائش ضرور ہے ..."

(ص ۲۷۱ میلاد النبی)

اس کے جواب میں مولانا گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اور امر ثانی کے باب میں اگرچہ سرِدست آپ کو بوجہ فرطِ عقیدت و محبّت کے ناگوار گزرے اور اس بندہ کو گستاخ و بے اَدب تصوّر کرو، مگر حق کہہ دینے سے مجھے یہ امر مانع نہیں وہ یہ کہ بندہ جو حضرت شیخ سے بیعت ہُوا ہے اور جتنے اہلِ علم ذی فہم قدیم سے بیعت ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں تو باوجود علم غیر عالم سے جو بیعت ہُوئے تو اس خیال سے بیعت ہُوئے اور ہوتے ہیں کہ جو کچھ اُستادوں سے کُتبِ دینیہ میں اُنہوں نے پڑھا اور علم حاصل کیا کسی شیخ عارف سے اس علم کو علم الیقین بنالیویں تاکہ عمل کرنا نفس کو اس پر سہل ہو جائے اور معلوم مشہود بن جاوے، علی حسب استعداد۔ اس واسطے کوئی بیعت نہیں ہُوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہم

نے پڑھا ہے اس کے صحت و سقم کو کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام محققہ قرآن و حدیث کو اس کے قول سے مطابق کر لیں کہ جس کو وہ غلط فرمادیں اس کو غلط مان لیں اور جس کو صحیح کہیں اس کو صحیح رکھیں کہ یہ خیال سراسر باطل ہے۔ پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرماوے گا تو اس کو تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا، کیونکہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے اور شیوخ معصوم نہیں ہوتے اور جب تک شیخ کسی مسئلے کو جو بظاہر خلافِ شرعیہ ہو، بدلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کردے، مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں، اس کی نظیریں احادیث سے بکثرت ملتی ہیں۔ ایک نظیر بیان کرتا ہوں اس پر غور کیجیے۔

جب واقعہ مسیلمہ میں قراء بہت شہید ہوگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ذہاب کثیر من القرآن کا ہوا، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد مباحثہ بسیار قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبول فرمایا اور اس کا استحسان اُن کے ذہن نشین ہوگیا اور دونوں کی رائے متفق ہوگئی اور سنیت بلکہ وجوب مقرر ہوگیا۔ اور پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس امر کے واسطے فرمایا تو باوجود اس بات کے کہ شیخین رضی اللہ عنہما زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے علم و فضل میں بہت زیادہ تھے اور صحبت اُن کی بنسبت زید کے طویل تھی اور ان کے باب میں حکم عام شارع علیہ السلام سے ہوچکا تھا کہ اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ، رواہ البخاری، مع ھٰذا زید نے چونکہ اس امر کو محدث سمجھا تو یہی فرمایا کَیْفَ تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور اُن کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا، کیونکہ ایجاد بدعت اُن کے نزدیک سخت معیوب تھا اور شیخین کو معصوم نہ جانتے تھے۔ لہٰذا مناظرہ شروع کر دیا، مگر جس وقت شیخین نے ان کو سمجھا دیا اور سنیت اس فعل کی زید کو ثابت ہوگئی تو اس وقت بدل و جان قبول کر کر اس کی تعمیل میں مصروف ہوگئے۔ بخاری کو تم نے خود پڑھا پڑھایا اور دیکھا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

پس ایسا بدست شیخ ہوجانا کہ مامور و منہی کی کچھ تمیز نہ رہے یہ اہلِ علم کا کام نہیں،

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ یہ امر بھی عام ہے اس سے کوئی مخصوص نہیں۔ اور اگر کسی عالم نے اس کے خلاف کیا تو بسبب فرطِ محبّت کے اور جنون عشقیہ کے کیا ہے۔ سو وہ قابلِ اعتبار کے نہیں اور ہم لوگ اپنے آپ کو اس درجہ کا نہیں سمجھتے۔ ع

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید

انہیں لوگوں کی شان میں ہے اور شیخ نصیر الدّین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کہ مجلس (سماع) سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ فعل مشائخ سُنّت نباشد۔ آپ نے سُنا ہوگا اور حضرت سلطان المشائخ کا اس پر فرمانا کہ نصیر الدّین دُرست کہتا ہے۔ تصدیق تحریر بندہ کی کرتا ہے۔ وہ امر بہت باریک ہے جو آپ نے لکھا ہے اس کے جواب میں اسی قدر کافی ہے۔ اسی واسطے مشائخ اپنے مریدین علماء سے مسائل دین کی تحقیق کرتے رہتے تھے اور کرتے رہے ہیں اور اپنی معلومات مخالفہ سے تائب ہو جاتے تھے، چنانچہ حضرت نے غذائے رُوح میں قصّہ اس عارف کا جو غار میں رہتا تھا اور تکیہ موم کی آنکھ اور بتی نجاست کی ناک میں رکھتا تھا۔ لکھا ہے کہ اُنہوں نے مرید کے اس کہنے سے کہ اس صورت میں نماز نہیں ہوتی اپنی نمازوں کا اعادہ کیا اور اس مسئلہ کو قبول کیا اور خود بندہ کو واقعات پیش آئے ہیں کہ جناب حاجی صاحب و جناب حافظ صاحب جو پہلے سے مولوی شیخ محمد صاحب سے مسائل دریافت کر کر ان پر عامل تھے، بندہ کے کہنے سے کتنے مسائل کے تارک ہو گئے اور واللہ کہ حافظ صاحب نے یہ کلمہ میرے سامنے فرمایا کہ ہم کو بہت سے مسائل میں ہمیشہ دھوکا رہا۔

پس چونکہ ابتدائے صحبت سخو کردہ۔ ایسی عادات کا ہے اور فرطِ محبّت و عقیدت سے عاری حضرت کے ارشاد کو جو بسبب تصدیق کرنے قول بعض مریدین بدفہم یا کم فہم کے اور مریدین خود غرض بدنام کنندہ پیران کے، بحسنِ ظن خود صحیح سمجھ گئے ہیں سردست قبول نہیں کرتا بلکہ حضرت کو معذور جان کر خطاب سے بری سمجھتا ہوں۔ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ اُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَاِثْمُهٗ عَلٰى مَنْ اَفْتَاهُ۔ لہٰذا حضرت کو معذور و بری جان کر ان خود غرضوں کو آثم اور ضال و مضل و مکتسب اَمتعۂ دنیویہ دَر پردہ دین یقین کرتا ہوں اور واللہ باللہ کہ تم پر خلصۃً ہرگز مجھے یہ گمان نہیں ہے، جبکہ تم کو جو کچھ پیش آیا ہے۔ بفرطِ عقیدت واقع ہوا ہے مَیں تم

(باقی صفحہ ۵۴ پر)

اُس مُرید پر جو مُرشد کامل پائے لیکن فیض یاب نہ ہو سکے۔
اُس مُرشد نفس پرست پر جو قرآن و سُنّت کا پیروکار نہ ہو۔
اُس مال پر جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جاتی ہو۔

بقیہ: فرمودات حضرت مدنیؒ

لیے تحفہ اور ہدیہ اور پوشیدہ تعلّق کی سلسلہ جنبانی ہے[1]۔"

دُنیا کی مصیبت سے فریاد

فرمایا کہ: "دُنیا مصیبت سے فریاد کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ ہٹ جائے۔ مگر عارف اس سے لذّت حاصل کرتا ہے اور اس کے ازالے کی خواہش نہیں کرتا"[2]۔

[1] مکتوب ۱۶/۲۰ ص ۹۴ - ج ۱ [2] مکتوب ۱۶/۲۰ ص ۹۴ - ج ۱ -

بقیہ: حاصل مطالعہ

○ حضرت زکریا علیہ السّلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے کَانَ زَکَرِیَّا نَجَّارًا[1] زکریا علیہ السّلام بڑھئی (ترکھان) تھے۔)

○ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے ایک دکاندار کے یہاں کپڑے رنگے تھے۔

○ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلّی اللہ علیہ السّلام نے بکریاں چرائی ہیں اور تجارت کی ہے[2]۔

(جاری ہے)

[1] مُسلم ج ۲ ص ۲۶۸ - [2] بہشتی زیور مدلّل حصہ دہم ص ۸۰۶ بتغیر۔

بقیہ: ہمارے اکابر کا اصل مسلک

کو بھی اس امر میں معذور سمجھتا ہوں اور تمہارے واسطے دُعائے خیر کرتا ہُوں اگرچہ مَیں تمہارا شاکی بھی ہُوں، مگر یہ شکوہ میرا بوجہ محبّت کے ہے، کیونکہ شکوہ اپنوں ہی کا ہوتا ہے۔

(ص ۲۷۶ تا ۲۷۹، میلاد النبی)

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفصیلی عبارت کے ملاحظہ کے بعد انشاء اللہ حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے فعل سے استدلال کرنا ممکن نہ رہے گا۔

(جاری ہے)

○

(مضامین علمیہ)

دوسری اور آخری قسط

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مُدرّس و نائب مُفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

ہمارے اکابر کا اصل مسلک

ایک رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے نام سے مکتبہ خانقاہ اقبالیہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ ٹائٹل پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا نام رسالہ کے مرتّب کے طور پر درج ہے۔ چونکہ اس رسالہ کی ترویج واشاعت سے بہت فساد کا اندیشہ تھا (اگرچہ مصنّف و مرتّب کی نظر میں اندیشہ مغلوب ہے) اس لیے ہمارے حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب مدظلہ العالی کی رائے عالی یہ ہوئی کہ اکابر کا مسلک صحیح صحیح پیش کر دیا جائے اور مرتّب رسالہ کو جو غلط فہمی ہوئی اس کا ازالہ بھی کر دیا جائے۔ امتثالاً للامر یہ چند صفحات لکھے گئے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات کو سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

پانچویں فصل: نقشہ نعل مبارک سے استبراک[1] و توسل کے بارے میں ضروری وضاحت

اسی رسالہ میں ایک اور عمل جس کی عوام کو ترغیب دی گئی ہے، نقشہ نعل مُبارک سے توسل اور برکت حاصل کرنے کا ہے۔ تحریر ہے کہ

"مولانا تھانوی رحؒ فرماتے ہیں کہ بتجربہ بزرگانِ دین نقشہ نعل مقدس حضور سرورِ عالم فخر آدم صلّی اللہ علیہ وسلّم نہایت قوی البرکت سریع الاثر پایا گیا ہے، اس لیے اسلامی خیر خواہی باعث اس کی ہوئی کہ تمثال خیر النعال صلّی اللہ علی صاحبہ فوق عدد الرمال حسبِ روایت امام زین الدین عراقی محدّث مُسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات حاصل کریں اور اس کے توسل سے اپنی حاجات و معروضات جناب باری تعالیٰ میں قبول کرائیں۔" (ص ۳۳ اکابر کا مسلک و مشرب)

---

[1] برکت طلب کرنا

اوّل تو دیگر حضرات نے مثلاً مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے اس بارے میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے۔ مفتی صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہُوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی استعمال کی ہُوئی نعل شریف کسی کو مل جائے تو زہے سعادت اور فرطِ محبّت سے اُس کو بوسہ دینا۔ سر پر اُٹھا لینا بھی موجبِ سعادت ہے مگر یہ تو اصل نعل نہیں اس کی تصویر ہے اور یہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے یا نہیں اور تصویر کے ساتھ اصل شی کا معاملہ کرنا شریعت میں معہود نہیں ورنہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مبارک پائے مبارک موئے مبارک اور قمیص مبارک جبہ مبارک کی تصویریں بھی بنائی جا سکتی ہیں اور اگر ان میں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت سے قطع نظر کر لی جائے تو پھر آج ہی بے شمار تصویریں بن جائیں گی اور ایک فتنہ عظیمہ کا دروازہ کُھل جائے گا۔ جن بزرگوں نے اس تصویر کے ساتھ محبّت کا معاملہ کیا وہ ان کے والہانہ جذباتِ محبّت کا نتیجہ تھا مگر دستور العمل قرار دینے کے لیے حجّت نہیں ہو سکتا۔" (کفایت المفتی، ج:۲ ص:۶۱)

دوسرے حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کی مکاتبت کے جواب میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ نیل الشفاء سے واضح طور پر رجوع فرمالیا۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اس لیے مناظرانہ کلام کو بند کر کے ناظرانہ عرض کرتا ہُوں کہ گو احتیاطی تحریرات میں ہمیشہ شائع کرتا رہا، چنانچہ مکتوبات خیر کے حصّہ سوم بابت ۳۳ھ کے صفحہ ۱۵ میں بھی ایک صاف مضمون ہے۔ مگر مسئلہ میں تردد نہ ہُوا تھا، لیکن اب مجھ کو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہوگیا۔ پھر اس کے ساتھ عوام کے اختلاق اہواء سے جس سے میرا ذہن خالی تھا مصالح دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ بحکم دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ (الحدیث) اپنے رسالہ نیل الشفاء سے رجوع کرتا ہُوں اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہوگیا ہو اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلے کا استحضار اور تکرار کرتا ہُوں۔

علی اننی راض بان احمل الھویٰ واخلص منہ لا عَلَیَّ وَلَا لِیَا" (کفایت المفتی ج۲ ص۶۸)

اس پر مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے مزید وضاحت فرمائی کہ یہ رجوع استبراک و توسل کی ترغیب اور تشہیر و اشاعت کی تلقین سے رجوع تھا۔ فرمایا۔

"حضرت اقدس حکیم الامّت مولانا تھانوی مدظلّہ کے رسالہ نیل الشفاء سے اس اعلان رجوع کا مطلب یہ ہے کہ رسالہ نیل الشفاء سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ نقشۂ نعل شریف سے استبراک و توسل کی مُسلمانوں کو تلقین و ترغیب اور نقشہ کی تشہیر و اشاعت کی تحریض مقصود ہے۔ اب حضرت مولانا دام فیضہم نے عوام کے تجاوزعن الحد اور غلو کو مدِ نظر رکھ کر استبراک و توسل کی ترغیب اور تشہیر و اشاعت کی تلقین سے رجوع فرمالیا ہے۔ رہا کسی عاشق صادق اور مجذوب محبّت کا والہانہ طرزِ عمل تو وہ بجائے خود مذموم نہیں بلکہ مسکوت عنہ ہے۔ اسی طرح نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہوجانے کا جو ذکر ہے اُس کا حاصل بھی بجائے جزم جواز سابق کے عدم جزم جواز ہے نہ جزم عدم جواز۔ پس عشاق پر طعن نہ کیا جائے۔" (کفایت المفتی ج ۲ ص ۶۹)

مقامِ حیرت و تعجب ہے کہ رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے مرتّب نے اکابر کا مسلک و مشرب پُورے طور پر معلوم کیے بغیر وہ باتیں اُن کی طرف منسوب کردی ہیں جن سے وہ رجوع کرچکے ہیں۔

چھٹی فصل: احمد رضا خان بریلوی اور اُن کے ہم عقیدہ اہلِ سُنّت سے خارج ہیں۔

رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے مرتّب لکھتے ہیں۔

"اہلِ سُنّت والجماعت کے دو بڑے گروہ جو مختلف طبقۂ فکر کے لحاظ سے دیوبندی اور بریلوی کے نام سے مشہور ہوگئے تھے" ص۵

"اس زمانے میں المیہ یہ ہے کہ اہلِ سُنّت والجماعت کے دو گروہ جن میں فی الحقیقت اصلاً کوئی بُنیادی اختلاف نہیں ہے۔" ص۳۸

"اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ فرقۂ ناجیہ اہلِ سُنّت والجماعت متحد ہو کر یہود و نصاریٰ کا ... مل کر یک جان ہو کر مقابلہ کریں۔" ص۳۸

اس قسم کی عبارتوں سے مرتّب رسالہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بریلوی بھی اہلِ سُنّت والجماعت میں شامل ہیں۔ یہ عجیب تجاہلِ عارفانہ ہے۔ پھر ایک جانب یہ کہتے ہیں کہ ان میں فی الحقیقت اصلاً کوئی بُنیادی اختلاف نہیں ہے اور دوسری جانب طبقۂ فکر بھی کہتے ہیں، حالانکہ فکر و عقیدہ ہم معنی ہیں، اسی لیے شیعہ و سُنّی کو مختلف طبقۂ فکر کہا جاتا ہے حنفی شافعی کو مختلف طبقۂ فکر نہیں کہا جاتا، اور عقیدہ کے اختلاف ہی سے تو آدمی اہل السنت والجماعت

سے خارج ہوتا ہے۔

پھر بریلوی ہیں احمد رضا خان بریلوی کی طرف نسبت ہے یعنی جو کوئی احمد رضا خان اور اُس کے ہم عقیدہ کے ساتھ عقائد و اعمال ہیں شریک ہے وہ بریلوی ہے اور احمد رضا خان یقیناً اہل السنّت والجماعت سے خارج ہے۔

آب ذرا ان لوگوں کے عقائد تو ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بہارِ شریعت حصّہ اوّل میں یہ عقیدہ درج ہے۔

"حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ عزّ وجل کے نائب مطلق ہیں تمام جہان حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام جہان میں اُن کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں۔ تمام جہان اُن کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں۔ تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو اُنہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوت سُنّت سے محروم رہے تمام زمین ان کی ملک ہے تمام جنّت اُن کی جاگیر ہے۔ ملکوت السمٰوات والارض حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زیر فرمان۔ جنّت و نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دے دی گئیں۔ رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں۔ دنیا و آخرت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عطا کا ایک حصّہ ہے۔ احکام تشریعیہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قبضہ میں کر دیے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں۔"

اس عقیدہ سے متعلق خود احمد رضا خان کی عبارتیں ملاحظہ ہوں:

"احکام شریعت حضور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سپرد ہیں جو بات چاہیں ناجائز فرما دیں۔ جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ کر دیں۔" (الامن والعلیٰ ص۱۵۱)

"حضور ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی مرادیں سب حضورؐ کے اختیار میں ہیں۔" (برکات الامداد یہ ص۸ بحوالہ دل کا سرور)

اس عقیدہ کے بارے میں مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔

"یہ عقیدہ سراسر قرآن و حدیث اور شریعت مقدسہ کی تعلیم کے خلاف ہے اور ضلالت و

گمراہی کی تعلیم ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ سیّد المرسلین خاتم النّبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے افضل اور اعلم ہیں، لیکن فرائض کو معاف کر دینا۔ حلال کو حرام کر دینا۔ جنّت و دوزخ کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں ہونا یہ کوئی بات قرآن و سُنّت سے ثابت نہیں۔" (کفایت المفتی ص ۸۵، ج ۱)

(۲) علم غیب اور علم جمیع مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ کے بارے میں احمد رضا خان کے حوالے ملاحظہ ہوں:

"روزِ اوّل سے روزِ آخر تک سب مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ انہیں یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بتایا۔" (انباء المصطفیٰ)

"ہمارے حضور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ تعالیٰ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون الی یوم القیامۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا۔" (انباء المصطفیٰ)

"ایک حافظ صاحب جو حضور پُرنور امام اہلِ سُنّت قدس سرّہٗ کے مخلصین میں سے تھے، کچھ کلام بغرض اصلاح سُنانے کے لیے حاضر ہُوئے۔ اجازت عطا ہُوئی۔ سُنانا شروع کیا درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے کہ یا رسول اللہ میں حضور کی محبّت میں دن رات تڑپتا ہُوں۔ کھانا پینا سونا سب موقوف ہو گیا ہے۔ کسی وقت مدینہ طیّبہ کی یاد دل سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حافظ صاحب اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے، یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت میں آپ فنا ہو چکے ہیں اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمایئے کہ جھوٹ اور کونسی سرکار میں جنہیں دلوں کے ارادوں خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے جن سے اللہ عزّوجل نے ماکان ومایکون کا کوئی ذرہ نہیں چُھپایا۔"

(حدائق بخشش حصّہ سوم)

خُدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے ——— دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

(حدائق بخشش حصّہ اوّل، بحوالہ اظہار العیب ص ۲۴)

"عقیدہ: اللہ عزّ وجل نے انبیاء علیہم الصّلاۃ والسّلام کو اپنے غیوب پر اطّلاع دی۔ زمین و آسمان کا ہر ذرّہ ہر نبی کے پیشِ نظر ہے مگر یہ علم غیب کہ اُن کو ہے اللہ کے دیے سے ہے لہٰذا اُن کا علم عطائی ہُوا اور علم عطائی اللہ عزّ وجل کے لیے محال ہے کہ اُس کی کوئی صفت کوئی کمال کسی کا دیا ہُوا نہیں ہوسکتا، بلکہ ذاتی ہے۔ جو لوگ انبیاء، بلکہ سیّد الانبیاء صلّی اللہ تعالیٰ علیہ علیہم وسلّم سے مطلق علم غیب کی نفی کرتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق ہیں۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔

یعنی قرآن کی بعض باتیں مانتے ہیں اور بعض کے ساتھ کُفر کرتے ہیں کہ آیت نفی دیکھتے ہیں اور ان آیتوں سے جن میں انبیاء علیہم السّلام کو علومِ غیب عطا کیا جانا بیان کیا گیا ہے۔ انکار کرتے ہیں، حالانکہ نفی و اثبات دونوں حق ہیں کہ نفی علم ذاتی کی ہے کہ یہ خاصہ الوہیت ہے اثبات عطائی کا ہے کہ یہ انبیاء ہی کی شایان شان ہے اور منافی الوہیت ہے اور یہ کہنا کہ ہر ذرّہ کا علم نبی کے لیے مانا جائے تو خالق و مخلوق کی مساوات لازم آئے گی باطل محض ہے کہ مساوات تو جب لازم آئے کہ اللہ عزّ وجل کے لیے بھی اتنا ہی علم ثابت کیا جائے اور یہ نہ کہے گا مگر کافر، ذرات عالم متناہی ہیں اور اس کا علم غیر متناہی ورنہ جہل لازم آئے گا اور یہ محال کہ خدا جہل سے پاک۔ نیز ذاتی و عطائی کا فرق بیان کرنے پر بھی مساوات کا الزام دینا صراحۃً ایمان و اسلام کے خلاف ہے الخ۔

(بہار شریعت حصّہ اوّل ص ۱۲)

علمِ غیب کے بارے میں مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

"... پس جب صاف ظاہر ہوگیا کہ رسول علیہ السّلام کو ہرگز علمِ غیب نہیں مگر جس قدر اطّلاع دی جائے اور اُس پر بہت آیات واحادیث شاہد ہیں تو خلاف اس کے عقیدہ کرنا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام سب غیب کو جانتے ہیں شرکِ قبیح جلی ہووے گا، معاذ اللہ حق تعالیٰ سب مُسلمانوں کو ایسے عقیدۂ فاسد سے نجات دیوے آمین۔ پس ایسے عقیدے والا مشرک ہُوا۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۶)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"جملہ کتب میں فقط مجلس نکاح کے حضور کو ہی شرک لکھ دیا ہے اور مؤلف کو اس قدر بھی خبر

نہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ کا مساوی ہونا ضروری نہیں، نفس وجہ شبہ کافی ہوتی ہے لہٰذا یہاں نفس علم غیب میں برابری شرک ہے۔" (براہینِ قاطعہ ص ۵۴)

اَب ہم کہتے ہیں کہ ہم نے بریلویوں کے یہ دو مسلّمہ عقائد پیش کیے جو اہلِ سُنّت کی نظر میں کفر و شرک ہیں کیا ان کو تسلیم کرتے ہُوئے بھی بریلویوں کو اہلِ سُنّت ہی کا ایک گروہ سمجھا جائے گا اور اس کا ادراک خود احمد رضا خان کو رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے مرتّب سے زیادہ تھا اسی لیے وفات سے کچھ ہی پیشتر جو وصیّتیں کیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔

"اور میرا دین و مذہب جو میری کُتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔" (وصایا شریف ص ۱۰)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ مرتّب رسالہ کے قول ـــــــ "اس زمانے میں المیہ یہ ہے کہ اہل سنّت والجماعت کے دو گروہ جن میں فی الحقیقت اصلاً کوئی بُنیادی اختلاف نہیں ہے۔" (ص ۳۸) کے برعکس

ان دونوں جماعتوں کے درمیان بُنیادی اختلافات بھی ہیں جو بہت گہرے ہیں اور انہی اختلافات کی بُنیاد پر تو تفریق عمل میں آئی جیسا کہ احمد رضا خان کے عقائد سے واضح ہے لہٰذا مرتّب رسالہ کا یہ کہنا کہ "دھیرے دھیرے اعتقادی اختلاف اور سخت دُشمنی میں تبدیل ہوگیا" محض غلط ہے۔

ساتویں فصل: بدعتی کی توقیر پر وعید

آخر میں ہم مرتّب رسالہ کی توجہ ایک حدیث کی طرف کراتے ہیں۔ "مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ" مرتّب رسالہ نے بدعتی کی توقیر اس طرح کی ہے کہ ان لوگوں کو اس طرح ذکر کیا ہے۔ "حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ، حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ وغیرہم" (ص۵)

حالانکہ خود مرتب کے شیخ الشیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ براہین قاطعہ میں عبدالسمیع کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"اس سن تیرہ سو تین ہجری کے ماہ شعبان میں ایک کتاب مسمی بانوار ساطعہ کہ فی الواقع ظُلمات باطلہ ہے اس احقر کی نظر سے گزری کہ اُس کے مؤلف نے صراحتاً علمائے راسخین اور

اولیائے مقبولین پر طعن و شتم کر کے مورد مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ کا ہُوا ہے اور یہ طرفہ کہ وہ خود علم و فہم سے بالکل عاری جہل مرکّب میں مُبتلا ہے نہ سائل کی مراد سے واقف نہ مجیب کے جواب کو سمجھا اور نہ اپنے دعوی و دلیل کو جانا کہ کیا لکھتا ہُوں اور کیا مقصود تھا اور اس پر دعوٰی علم و تبحر و تفقہ کا وہ کچھ کہ گویا دُنیا میں لاثانی ہے اور باوصف اس زعم و تبختر و ناز اپنے علم کے کہ جہل مرکب ہے اپنے نام کو ستر اخفاء میں مکنون کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اپنی اس تحقیق باطل میں متردد ہو رہا ہے تاکہ گنجائش باقی رہے، مگر بقول

؏ نہاں کہ ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔

چونکہ مؤلّف مجمع جہلاء میں فخراً اپنی اس تالیف کو بزعم خود بے مثل تصوّر کر کے تمدح کر کے داد چاہتا ہے اور بریں فہم و دانش و علم چند جہلاء کی تحسین پر اپنے جامہ میں نہیں سماتا، چنانچہ خود تحریر رسالہ گواہ اس دعوٰی کی ہے لہٰذا خُوب روشن ہوگیا اور مثل آفتاب نیمروز کے واضح ہُوا کہ مؤلّف اُس کا مولوی عبدالسمیع رام پُوری ہے جو میرٹھ میں برمکان شیخ الٰہی بخش مرحوم رہتا ہے کہ اُس نے ابتدائے طفلی سے رسائل مبتدعین کی جمع کر کے یہ ملکہ واہیہ بہم پہنچایا اور باوجودیکہ خدمت جناب مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری اور مولوی سعادت علی صاحب سہارن پوری اور مولوی شیخ محمّد صاحب تھانوی اور مولوی محمّد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم میں یہ بضاعۃ مزجاۃ علم بے فہم کی حاصل کی تھی، ان کو بھی مع علماء متقدم و متأخر کے نشان سہام طعن و شتم بنایا۔"

(براہینِ قاطعہ ص ۵، ۶)

مرتّب رسالہ پر تعجّب در تعجّب ہے کہ یہ تمام اُمور جو ذکر کیے گئے کوئی مخفی نہ تھے، پھر کیونکر ان میں اشتباہ ہُوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان تحریر کیے ہُوئے صفحات کو ہمارے لیے بھی اور مرتّب رسالہ کے لیے بھی تذکیر کا اور احقاق حق و ابطال باطل کا ذریعہ بنادیں۔ و للّٰہ الحمد اولاً و آخراً۔

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت حافظ محمّد یعقوب صاحب خادمُ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے، خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ (ادارہ)